سید عزیز الرحمن (کراچی)

علومِ شرقیہ کی بے کسی

آج بر سرعام یہ سوال اٹھایا جا رہا ہے، اخبارات و جرائد میں مضامین اور تبصرے تحریر ہو رہے ہیں، محافل غور و فکر اور مجالس مذاکرہ میں یہ بات باندازِ تردید کہی جا رہی ہے کہ ہماری جامعات میں اردو، عربی، فارسی اور اسلامیات سمیت تمام علوم شرقیہ میں داخلہ لینے والے طلباء کا مستقبل کیا ہے؟ اور وہ کس بناء پر اس جانب رخ کرتے ہیں؟ اس ساری بحث سے انکی غرض اصلاح احوال نہیں، ان کے مدنظر ان "غریب" اور "مظلوم" طلباء کے معاشی مسائل کا حل نہیں، وہ فقط یہ چاہتے ہیں کہ یہ شعبے ویران ہو جائیں، کیوں؟ اس لئے کہ ان کی نظر میں یہ جدید دور کے "مغربی قالین" میں "مشرقی ٹاٹ" کا پیوند ہیں اور دور حاضر میں ان کے وجود کا جواز نہیں رہا، اسی فلسفۂ خود ساختہ کی اساس پر یہ بات برملا کہی جا رہی ہے کہ ان علوم کی تحصیل میں مصروف طلباء صرف اپنا وقت اور سرمایہ ہی نہیں پوری قوم کا سرمایہ اور وقت برباد کرنے کے موجب بن رہے ہیں۔ انہیں فنی علوم کی جانب اپنی توجہ مبذول کرنی چاہیے اور اس ساری بحث بلکہ تگ و دو کا نتیجہ یہ ہے کہ ان شعبہ ہائے علوم شرقیہ کو بند کر دیا جائے۔

اس سوال سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ ان طلباء کا مستقبل کیا ہے؟ کیونکہ یہ سوال اپنی جگہ اہم اور علیحدہ سے غور و فکر کا متقاضی ہے، ہم ایک اہم سوال اٹھانا چاہتے ہیں کہ اس قسم کے جاہلانہ اور متجاہلانہ سوالات کا اس طرز پر اٹھایا جانا کیا اسلامی صحافت کے آزادی رائے کے زمرے میں شامل و داخل ہے؟ یہ سوال اہم اور غور طلب ہے کہ صحافت سمیت مسلمان کے تمام معاملات کس حد تک آزاد ہیں؟ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ عدل کسی مسلمان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے کہ............

الدنیا سجن المومن و جنة الکافر (الحدیث) دنیا مومن کا قید خانہ اور کافر کی جنت ہے۔

مسلمان آزاد ہے مگر چند شرائط کے ساتھ، مادر پدر آزادی کا تصور صرف مغرب میں ہی مل سکتا ہے، اس لئے اس کی ہلاکت خیز خرابیاں بھی جلوہ آراء نظر آتی ہیں۔ سو اگر ایک اسلامی و نظریاتی مملکت میں ہی اسلامی و شرقی علوم خطرات کا شکار رہ کر وادی گم نام کے گھاٹ اتار دیئے جائیں تو اس سانحہ کو کیا رواں صدی کا سب سے ہولناک سانحہ قرار نہ دیا جائے گا؟ اور کیا پھر ایسی ریاست کے لئے "اسلامی" و "نظریاتی" ایسے القابات کا سابقہ استعمال کرنے کا استحقاق برقرار و باقی رہے گا۔

اس قسم کے نعرے بلند کرنے اور شوشے چھوڑنے والے درحقیقت اسی سلسلۂ فاسدہ کی کڑی ہیں جس کا بانی مبانی نہایت حقارت سے یہ کہتا ہوا سرزمین برصغیر پر وارد ہوا تھا کہ!

"یورپ کے کسی اچھے کتب خانے کی محض ایک الماری ہندوستان اور عرب کے سارے ادبی

سرمائے پر بھاری ہے" یہ جملہ بین السطور صاف جانکھتے ہوئے تعصب، عناد اور حقارت کے جذبے کی بناء پر کسی قسم کے تبصرے کے لائق نہیں، افسوس صرف یہ ہے کہ ہم آج بھی اس قول کے قائل "میکالے" کی مالا جپتے ہیں اور اسی کی روندی ہوئی راہ پر چلنے کو اپنے اور اپنی نسلوں کے لئے سرمایہ افتخار گردانتے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اگر ان بے سروسامان "دیوانوں" کو، جو مشرقی اقدار اور اپنے مذہبی افتخار کو آج بھی اپنے لئے باعث شرف و منزلت تصور کرتے ہیں آپ کا معاشرہ کار آمد شہری نہیں سمجھتا اور ان کی انسانی ضروریات کا ضامن نہیں بننا چاہتا تو اس میں خود ان کا اپنا کسور کیا ہے؟ کیا انکا "جرم" صرف اسی قدر ہے کہ وہ آپ کے مزعومہ "ترقی یافتہ" دور میں آپ کا رابطہ آپ کے ماضی سے استوار رکھے ہوئے ہیں؟ خدا نخواستہ اگر یہ سلسلہ بند ہو گیا (اور ایسا ہونا قیامت سے قبل ممکن نہیں، ان شاء اللہ) تو دل تھام کر سوچیئے کہ آئندہ پچاس سال بعد کا نقشہ کیا ہو گا؟ حافظ و سعدی کو تو چھوڑیے، میر و غالب کو بھی رہنے دیجئے، اقبال و فیض بھی ہمارے اپنوں کے درمیان اجنبی ٹھہریں گے، مسلمانوں کی قابل فخر تاریخی، علمی، ادبی اور ثقافتی روایات کا تو کیا ذکر، قرآن و حدیث کے معانی بتانے والا کوئی نہ ہو گا اور سب کچھ چھوڑیئے آپ کو یہ تک بھی علم نہ رہے گا کہ آپ ہیں کون؟ سوچیئے کہ اس وقت آپ ہوں گے؟ نہیں، جب انسان سے اس کی شناخت چھن جائے، اس کا تعارف اس سے لے لیا جائے تو پھر اس کا وجود بھی بے نام و نشان ہوتا ہوا بحر عدم میں گم ہو جاتا ہے۔ سو ایسی سنگین صورتحال میں یہ دیوانے نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں، اور آپ کا ان سے سلوک کیا ہے؟ یہی کہ بجائے اس کے کہ انکے والدین کی حوصلہ افزائی کی جائے، ان کے متعدد، مختلف الاقسام اور متفرق الجہت مسائل کے حل کی سعی و کوشش کی جائے اور ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ ان "دیوانوں" کی تعداد میں اضافہ ہو، کیا یہ جا رہا ہے کہ اسی شاخ نازک کو کاٹ ڈالنے کا مشورہ دیا جا رہا ہے جس پر وہ اپنا آشیانہ چننا چاہتے ہیں؟

خرابی کی بنیاد دراصل مادہ پرست سوچ نے ڈالی ہے، آج تعلیم کا واحد مقصد زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنا ہے اور جب مقصد زیست دولت بن جائے تو پھر سچ و جھوٹ، حق و باطل، حلال و حرام، جائز و ناجائز اور صحیح و غلط کی تفریق مٹ جاتی ہے، پھر مطمح نظر صرف ایک ہوتا ہے، دولت اور فقط دولت، مادیت کے غلاظت بھرے نظام نے ہمیں شر و فساد، قتل و عناد کے سوا دیا کیا ہے؟ ہاں اس کی بدولت نام نہاد ترقی ضرور دنیا کی عطاء ہوئی ہے مگر یہ بات خود اپنی جگہ محل نظر ہے کہ فی الحقیقت اسے ترقی قرار بھی دیا جا سکتا ہے؟ اسے عروج انسانیت بخشنے اور سارے عالم کو اس سے روشناس کرانے کا؟ جس معاشرے میں تضاد، فساد شر و جبر اور ظلم و ستم عام ہو، جہاں طاقت کی حکمرانی کا تصور ہو، جہاں انسان کا خون کتے کے خون سے کہیں زیادہ ارزاں ہو، جہاں دولت کے آگے ہر مرتبہ و مقام ہیچ و بے قیمت ہو اور جہاں امارت کے دولت کدوں کی تپش میں غریبوں کے جسم جھلس رہے ہوں، اس معاشرے، اس عالم اور اس ماحول کو انسانیت کی معراج کیونکر قرار دیا جا سکتا ہے؟ میری بات کو ہزار بار غلط قرار دیا جائے مگر میں یہ کہے بنا نہیں رہ سکتا کہ یہ

غلط نظام تعلیم اور غلط تصور تعلیم کا ثمرہ ہے اور جب تک ہم اپنے مقصد حیات کو نہیں پہچانیں گے اور اپنے فلسفۂ تعلیم کو اپنے دین اسلام کی تعلیم سے ہم آہنگ نہیں کریں گے، اس وقت تک کسی بھی قسم کی اصلاح کا تصور محال تر اور کارِ عبث ہے، اور یہ عمل اپنے اندر، اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنے سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔

ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نقالی میں مہارت رکھنے کے باوجود نقل اس وقت کرتے ہیں جب وہ خود اپنے مسکن و مولد میں بھی متروک ہو چکی ہوتی ہے، متعلم کا یہ مادیت پرستانہ نظریہ خود مغرب میں اپنے گل کھلانے کے بعد روپوش ہوا چاہتا ہے اور راہ عاطفت نہ پا کر اب راہ فرار کا متلاشی ہے، اب وہ مذہب سے نجات پانے کے بعد برق اور بھاپ کو خدا سمجھنے اور آسمانی خدا کو اپنے تئیں دیس نکالا دینے کے بعد اور مادے کو مختار کل سمجھ لینے کے بعد پھر اپنی اصل کی جانب مائل بہ سفر ہے اور کل شئی رجع الی اصلہ کے مصداق پھر واپس وہیں پر لوٹ کر آرہا ہے، جہاں اس نے اپنے سفر کا آغاز کیا تھا اور ہم اب اس کی پوجا شروع کر رہے ہیں۔

مذہب تو عہد الست کی بناء پر انسانی فطرت کے رگ و پے میں سرایت کر چکا ہے اس لئے انسان کے ذوق کی تسکین مذہب میں ممکن ہے، اب یہ اس کے ذوق اور تقدیر کا کرشمہ ہے کہ وہ صراط مستقیم پر گامزن رہتے ہوئے اپنی منزل مسجد و محراب میں دیکھتا ہے یا کسی گرجاء و کلیسا میں۔ اس سے انکار ممکن نہیں کہ منزل ٹھوس ہوتی ہے اور متحرک نہیں ہوتی، ہر گزرتے دن کے ساتھ چھوٹی یا بڑی نہیں ہوتی، سکڑتی اور پھیلتی نہیں، لیکن وہ اپنی جگہ پر برقرار رہتی ہے، جب کہ سرمایہ داری کی ظاہری چکا چوند والی سیماب صفت گھٹتی اور بڑھتی زندگی کو کسی صورت بھی منزل قرار نہیں دیا جا سکتا، یہی وجہ ہے کہ مادیت کی زوال پسند اور تنزل پرست زندگی کو منزل قرار دینے والوں کے ہاتھ سوائے فریب نظر کے اور کچھ نہیں آتا، ان کے لئے سراب کا شکار ہونا اس قدر بدیہی اور لازمی ہے کہ اس کے علاوہ اور چارہ ہی نہیں، جب کہ مسلمان اور اس کی زندگی اس سے ماوراء اور بہت بلند ہے۔ مسلمان کی زندگی اس قدر لطیف ہے کہ ان غلاظتوں کی متحمل ہو ہی نہیں سکتی۔ ہاں جب وہ دنیا میں آیا ہے تو اس کا واسطہ ان فانی چیزوں سے بھی ضرور پڑتا ہے مگر اس کے لئے بھی ایسی صورت بیان کر دی گئی جو اسکی نزاکت طبع کے قطعاً مخالف نہ ہو اور وہ اس راہِ پُرخار سے زخمی ہوئے بغیر گزر جائے، لہٰذا اس قسم کی گفتگو کسی مسلمان کے شایاں ہرگز نہیں۔

یہ وقت عمل کا ہے، سعی و جہد مسلسل کا ہے، کاغذی معرکوں اور لفظی مجاہدوں کو ترک کرنے اور میدان عمل میں نکلنے کا ہے، اس تحریر کی بناء پر تو نہیں، البتہ حالات کی سنگینی کی بنیاد پر ہم یہ امید ضرور کر سکتے ہیں کہ اب کوئی آئے اور قوم کو اس طوفانِ جہالت اور خود فراموشی سے نکال کر ''خود شناسی'' اور پھر ''خدا شناسی'' کی منزل تک جا پہنچائے۔ **الیس منکم رجل رشید ؟**